

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مگر نظر

رمضان المبارک اور تین قسم کے لوگ

رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ ایک بار پھر اپنی برکتوں اور رحمتوں کے ساتھ ہم پر سایہ فگن ہے۔ لیکن افسوس اس بابرکت مہینہ سے فیض اٹھانے اور اس مقدس ماہ میں احکام الہی کے مطابق چلنے والے مسلمان خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ ایک اسلامی معاشرے میں رمضان پر عمل کس طور سے کیا جاتا ہے، اس کی ایک تصویر کشی مولانا ابوالکلام آزادؒ نے آج سے ۸۶ برس قبل کی تھی۔ عشرے بیت جانے، آزادی حاصل ہو جانے اور بہت سے سبق آموز واقعات گزر جانے کے باوجود بھی آج کے مسلمان کا طریقہ عمل اسی کی تصدیق کرتا ہے۔ اگر ہم معمولی سے غور سے بھی کام لیں تو ان مثالوں میں ہمیں اپنے چہرے پہچانتا مشکل نہ ہوگا!!..... امت مسلمہ کے دورِ زوال کے یہ رویے ہماری آنکھیں کھول دینے کو کافی ہیں، لیکن ان سے عبرت پکڑنے کے لئے، اللہ سے ڈرنے والے دل اور دیدہ بینا کی ضرورت ہے! (حسن مدنی)

قرآن کریم نے اعتقاد و اعمال اور تعلق الہی کے لحاظ سے انسانوں کو تین جماعتوں میں تقسیم کیا ہے:

﴿فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ، وَمِنْهُمْ مَّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ، ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ﴾ (۳۲:۳۵) ”پس ان میں سے ایک گروہ تو احکام الہی سے سربتاری کر کے اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔ ایک گروہ درمیانی حالت میں ہے، اور ایک ایسا بھی ہے کہ اللہ کے حکم سے نیکیوں کے کرنے میں آگے بڑھا ہوا ہے“

سو یہ آخری حالت اللہ کا بہت ہی بڑا فضل ہے جو وہ اپنے بندوں پر کرتا ہے!

فی الحقیقت انسان کے اعمال و اخلاق کی یہ ایک ایسی جامع اور قدرتی تقسیم ہے جس کی صداقت ہر حیثیت اور ہر پہلو سے دیکھی جاسکتی ہے اور نیکی کے کاروبار کا کوئی میدان ایسا نہیں ہے جہاں یہ تین گروہ نظر نہ آتے ہوں۔ ماہ رمضان المبارک کے احترام و تعظیم اور حکم صیام کی تعمیل کے لحاظ سے بھی غور کریں تو آج بھی ہم میں یہ تینوں گروہ موجود ہیں۔ ایک گروہ تارکین صیام کا ہے جو روزہ رکھتا ہی نہیں۔ دوسرا صائمین کا ہے جو روزہ تو رکھتا ہے، پر افسوس کہ اس کی حقیقت اپنے اوپر طاری نہیں کرتا۔ تیسرا گروہ ان مؤمنین صالحین کا ہے جنہوں نے روزہ کی اصلی حقیقت کو سمجھا ہے اور وہ احتساب اور تقویٰ کے ساتھ ماہ مقدس بسر کرتا ہے..... وہم قلیل:

ذیل میں ہم ان تین گروہوں کے متعلق بیان کرتے ہیں:

تاریکین احکام و طاعات

ان میں سب سے پہلا گروہ ظالم لنفسہ کا ہے۔ یہ اپنے نفس کے لئے اس لئے ظالم ہیں کہ انہوں نے اللہ کو اور اس کے ذکر کو بھلا نا چاہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خود اپنے نفس ہی کو بھول گئے:

﴿الَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَنَسَاهُمْ أَنْفُسُهُمْ، أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ (۱۹:۵۹)

”وہ لوگ کہ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا، نتیجہ یہ نکلا کہ اپنے نفس ہی کی طرف سے غافل ہو گئے۔

یہی لوگ ہیں کہ دونوں جہان کے گھائے میں ہیں“

یہ ظالم لنفسہ اس لیے ہیں کہ انہوں نے عدالتِ حقہ کا رستہ چھوڑ کر اسراف و تبذیر کا رستہ اختیار کیا۔ ظلم کہتے ہیں زیادتی کو، اور عدالتِ حقہ صرف اسی راہ میں ہے جسے صراطِ مستقیم، میزانِ الموازن اور قسطِ مستقیم کہا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرمایا: ﴿الَّذِينَ اسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ﴾ (۵۲:۳۹)

”وہ لوگ کہ جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی“

ہوائے نفس کی لذتوں نے انہیں پاگل کر دیا ہے: ﴿كَمَثَلِ الْيَخْبَطَةِ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾ ان کی زندگی کی غایت صرف غذا اور روٹی ہے۔ اللہ نے انہیں انسان بنایا تھا تاکہ وہ اعلیٰ توئے انسانیت سے کام لیں، پر وہ مثل چار پایوں کے بن گئے جو صرف اپنا چارا ڈھونڈتا ہے اور صرف اپنی غذا کے لئے دن بھر دوڑتا اور لڑتا رہتا ہے: ﴿أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلَّ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ﴾ (۱۷:۸)

”یہ لوگ مثل چار پایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر اور یہی ہیں کہ غفلت میں پڑ گئے ہیں“

سوانِ لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کی حکومت سے باغی ہیں، اس کے قوانین سے انہوں نے علانیہ سرکشی کی، اس کے پاک حدود و مواثیق کو انہوں نے یکسر توڑ ڈالا۔ وہ انسانوں کے آگے جھکتے ہیں، مگر فاطر الارض و السماوات کے آگے جھکتے سے انہیں شرم آتی ہے۔ وہ دنیاوی حاکموں سے ڈرتے ہیں، پر احکم الحاکمین کا ان کے دلوں میں خوف نہیں۔ انسانی بادشاہت کا اگر ایک چھوٹے سے چھوٹا قانون بھی ہو تو اس سے سرتابی کرنے کی انہیں ہمت نہیں پڑتی، کیونکہ ان کو یقین ہے کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو عدالتِ مرادے گی اور حاکمِ وقت باز پرس کرے گا۔ پر شہنشاہِ ارض و سماء کے بڑے سے بڑے قانون کو بھی ٹھکرا دینے اور ذلیل و حقیر کرنے سے وہ نہیں ڈرتے، کیونکہ اللہ پر انہیں یقین نہیں رہا اور اس کی سزاؤں کو وہ نہیں مانتے۔ وہ اپنی نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے کا اختیار اگر کسی انسان کے ہاتھ میں دیکھتے ہیں، تو جانوروں کی طرح اس کے پاؤں پر لوٹتے ہیں، گدھے کی طرح اس کا مرکب (سواری) بن جاتے ہیں، اور غلاموں اور چاکروں کی طرح اس کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑے رہتے ہیں، تاکہ وہ انہیں کچھ عرصہ کے لئے روٹی دے یا تانبے اور چاندی کے چند سکے حوالے کر دے۔ پر وہ جس نے انہیں پیدا

کیا، جس کی ربوبیت ان کے جسم کے ایک ایک ذرے اور خون کے ایک ایک قطرہ کو پالتی اور ہلاکت سے بچاتی ہے، جو ان کی فریادوں اور دکھ درد کے وقت سنتا اور جب وہ ہر طرف سے مایوس ہو جاتے ہیں تو انہیں امید اور مراد بخشتا ہے، سو اس رب الارباب کے لئے ان مغروران کے پاس عاجزی کا ایک عمدہ، بندگی کی ایک پیشانی، بے قراری محبت کی ایک پکار، تقویٰ اور احتساب کا ایک روزہ، اور خلوص و صداقت کے ساتھ اتفاق فی سبیل اللہ کا ایک کھوٹا پیسہ بھی نہیں ہے:

﴿قَوْلِيلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ أَوْلَيْكَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ﴾ (۶۲:۳۷)

”پس صد افسوس اور صد حسرت ان دلوں پر جو ذکر الہی کی طرف سے بالکل سخت ہو گئے ہیں اور یہی لوگ ہیں کہ جو بڑے ہی پرلے سرے کی گمراہی میں مبتلا ہیں“

ایمان باللہ

انسان کے تمام کاموں میں جو یقین کا رسوخ اور اعتماد کا استحکام ہے، اسی کو شریعت ’ایمان‘ کے لفظ سے تعبیر کرتی ہے۔ لیکن ان کے دل میں ایمان کا درخت مرجھا گیا ہے، اس لئے اعمالِ صالحہ کے پھل نہیں لگتے۔ اللہ کا تصور یا تو محبت کی شکل میں انسان کو اپنی طرف کھینچتا ہے یا خوف کی عظمت و ہیبت دکھلا کر اپنے آگے جھکاتا ہے۔ اس کے دیکھنے والوں نے ہمیشہ انہی دو نقابوں میں سے اسے دیکھا ہے۔ پر نہ تو ان کے دلوں میں محبت ہے کہ اپنے محبوب کے لئے دکھ اٹھائیں اور نہ خوف ہے کہ ڈر کر اور ہیبت میں آ کر اس کے آگے جھک جائیں۔ اللہ کے رشتے کی کوئی زنجیر ان کے پاؤں میں نہیں رہی کیونکہ نفس و شیطان کی غلامی کے طوق ان کے گلوں پر پڑ گئے:

﴿إِنَّا جَعَلْنَا فِيْ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُونَ﴾ (۸:۳۸)

”ہم نے گمراہی اور شیطان کی غلامی کے طوق ان کی گردنوں میں ڈال دیئے جو ان کی ٹھوڑیوں تک آگئے ہیں اور ان کے سر پھنس کے رہ گئے ہیں“

پس ان کی فطرت کو عبودیتِ الہی سے کچھ اس طرح کی اجنبیت ہو گئی ہے کہ اگر ایک لمحہ اور ایک دقیقہ بھی اس کی عبادت و ذکر میں بسر کرنے کے لئے کہا جاتا ہے، تو انہیں ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا کسی بڑی ہی سخت مصیبت اور بڑے ہی جانکاہ عذاب میں پڑ گئے ہیں۔ حالانکہ اصلی عذاب کی انہیں خبر نہیں جس میں واقعی پڑنے والے ہیں اور جو واقعی سخت و جانکاہ ہے:

﴿قُلْ أَفَأَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ ذُكِّرُوا النَّارَ، وَعَذَّبَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَبَنَسَ الْمَصِيرُ﴾

”اے پیغمبر! ان سے کہہ دے کہ تمہیں ذکر الہی سے بڑی ہی تکلیف ہوتی ہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر ایک مصیبت کی تمہیں خبر دوں جو آنے والی ہے: آتش ووزخ..... جس کا اللہ نے مکروں سے وعدہ کیا ہے اور جو بڑا ہی برا ٹھکانا ہے“ (۷۰:۲۲)

ان کی فطرت پر شدتِ عصیان اور استغراقِ ضلالت و فساد سے ایک ایسی تاریکی چھا گئی ہے جو نورِ ایمان سے کلیۃً مغائر ہے اور اس کے ساتھ عبودیتِ الہی کا نور جمع نہیں ہو سکتا۔ پس نماز سے بھی اسے انکار ہے اور روزہ کی بھی اسے توفیق نہیں۔ شریعت کے تمام حکموں کو اس نے چھوڑ دیا ہے اور اس کی زندگی بیکسر ایسی ہو گئی ہے جس میں خدا پرستی کے لیے چند گھڑیاں اور چند منٹ بھی نہیں ہیں:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمِعَتْهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ﴾

”یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں، ان کے کانوں، اور ان کی آنکھوں پر مہر لگا دی ہے اور یہ وہ ہیں کہ غفلت میں کم ہو گئے ہیں“ (۱۰۹:۱۲)

امراء فساق اور روساء فجار

پس رمضان المبارک میں ایک گروہ تو تاریکینِ صیام کا ہے جن کے لئے ماہِ مقدس کی برکتوں میں کوئی حصہ نہیں رکھا گیا، اور جن کی نفس پرستی پر روزہ رکھنا بہت ہی شاق گذرتا ہے۔ ان میں ایک جماعتِ امراء و روساء کی ہے جو فسق و فجور کی تاریکی میں ایسے گھر گئے ہیں کہ تقویٰ اور احتساب کی ایک ہلکی سی شعاع بھی ان کے سیاہ خانہٴ عمل پر نہیں پڑتی اور استغراقِ لہو و لعب اور انہماکِ شہوات و لذات نے انہیں بالکل اپنی طرف مشغول (مشغول) کر لیا ہے۔

روزہ کی اصل صبر اور تقویٰ ہے۔ صبر کی حقیقت یہ ہے کہ خواہشات اور تکالیف برداشت کی جائیں۔ پس اس کے لیے ضبط و تحمل کی، ایثار و احتساب کی، انتہائے روح اور طہارتِ نفس کی ضرورت ہے۔ مگر ان کا نفس شریر اپنی ہیسی خواہشوں میں اس درجہ بے قابو ہو گیا ہے کہ وہ تکلیف اور ایثار کا تحمل نہیں ہو سکتا۔ ان کی طبیعت خواہشوں کی غلام اور نفس پرستیوں کی عادی ہو گئی ہے۔ پس وہ ایک گھنٹہ بھی ضبط جذبات و تحمل نفس کے ساتھ بسر نہیں کر سکتے۔

وہ ماہِ مقدس جو نزولِ سعادت کی یادگار تھا، جو مومنوں کے لئے نیکیوں اور خدا پرستیوں کا سرچشمہ تھا، جو ہمیں تحملِ مصائب اور مرضیاتِ الہیہ کی راہ میں ایثارِ نفس کی تعلیم دیتا تھا، آتا ہے اور گذر جاتا ہے، پر ان کے اعمالِ شیطانیہ اور افعالِ خبیثہ میں رائی برابر بھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ پھر ان میں کتنے ہی ہیں جو عین رمضان المبارک کے اندر شربِ خمر اور زنا و فسق میں چارپایوں اور حیوانوں کی طرح ڈوبے رہتے ہیں اور ماہِ مقدس کی برکتوں کی جگہ آسانیِ لعنتوں کی ان پر بارش ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں تو آیا ہے کہ

”إذا دخل شهر رمضان فتحت أبواب الجنة وأغلقت أبواب النار وصفدت

الشیاطین“ (رواہ البخاری)

”جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو نیکیوں کے بہشتی دروازے کھل جاتے ہیں، برائیوں کے جہنمی دروازے بند ہو جاتے ہیں، اور ارواحِ شریرہ و شیطانیہ کا عمل باطل ہو جاتا ہے“

ساتھی ہوتا ہے۔“

حلقہ شیاطین و مجمع 'آبالہ' [جمع ابلیس]

صدابند کرے، اور گونگا شیطان نہ بنے جو ایمان کی موت اور اللہ پرستی کا خاتمہ ہے۔

فتنہ علماء سوء

صدوقیوں کی طرح غرورِ فضیلت و کبرِ تقدس سے حرکت دیتے ہیں۔

ان کو اپنی فضیلت و پیشوائی کا بڑا ہی گھمنڈ ہے۔ وہ جب اپنے مریدوں اور معتقدوں کے جھگڑے میں تسبیح مکر و سجادہ زور کے ساز و سامان فریب کے ساتھ بیٹھے ہیں تو کسی طرح اللہ کی الوہیت اور رسولوں کی قدوسیّت سے اپنے تقدس و کبریائی کو کمتر نہیں سمجھتے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا وجود شریعت کی توہین اور دین الہی کی سب سے بڑی تذلیل ہے۔ قوم کا بدتر سے بدتر اور جاہل سے جاہل گروہ بھی ان خلفاء شیطانی و ناصبین ابلیس لعین سے زیادہ نیک اور زیادہ راست باز ہے۔ کیونکہ یہ علماء سوء ہیں اور ان کے فتنہ سے بڑھ کر قوم کے لئے کوئی فتنہ نہیں۔ ہوائِ نفس ان کی شریعت ہے، درہم و دنانیر ان کا قبلہ ہے، نفس و شیطان ان کا معبود ہے، اور طلبِ جاہ و مال ان کا ذکر و فکر ہے۔ چونکہ ان کو امراء فساق اور روساء فاجر کے دربار سے بڑے بڑے وظائف و مناصب ملتے ہیں اور نذر و نیاز کی فتوحات کا یہم سلسلہ جاری رہتا ہے، اس لئے ان کی زبانیں گونگی ہو گئی ہیں اور اپنے منصوبوں، تنخواہوں اور نذر و نیاز کی لعنت کے بند ہو جانے

کے خوف سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہیں نکالتے۔

وہ اپنی آنکھوں سے رمضان المبارک کی توہین کا تماشا دیکھتے ہیں اور چپ رہتے ہیں۔ ان سامنے ماہ مقدس کے اندر حکم الہی کو ٹھکرایا جاتا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں، نہ تو کسی شیطانِ آخرس (گوٹکے) کی زبان معروف کے لئے کھلتی ہے، نہ کسی خلیفہ ابلیس کو شریعت کی علانیہ توہین پر غیرت آتی ہے۔ امر بالمعروف کو انہوں نے یکسر بھلا دیا ہے اور نہی عن المنکر کو اپنے مقاصد نفسانیہ کے خلاف دیکھ کر نسیا منسیا کر دیا ہے۔ اگر وجود مقدس حضرت صادق مصدوق علیہ السلام کا حکم باطل نہیں تو میں کہتا ہوں کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ایسے ہی علماء سوء کو ہوگا۔ "وقال رسول الله ﷺ: إن أشد الناس عذاباً يوم القيامة، عالم لم ينفعه الله بعلمه" (رواہ ابن عساکر عن ابی ہریرہ والبیہقی فی شعب الایمان و الطہرات فی الصغیر والحاکم فی المستدرک)

فتنۃ الحاد و متفرنجین [انگریز سے متاثر]

پھر تارکینِ صیام کے گروہ میں اس سے بھی بڑھ کر ایک فتنے نے سراٹھایا ہے، جس کا اثر بہت شدید اور جس کی آفات سخت متعدی ہیں اور جس کے اندر شریعت کا استغفاف و استہزاء پہلے سے کہیں زیادہ اور حدود اللہ کے خلاف نفسانی جسارت پہلوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ نہایت درد اور رنج کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ ان لوگوں کا فتنۃ الحاد و اباحہ ہے جنہیں افسوس کہ الحاد سے بھی جہل کے سوا اور کچھ نہیں ملا۔ حالانکہ الحاد نے اکثر غرورِ علم کے ساتھ ظہور کیا ہے۔ یہ لوگ نشاۃِ مدنیہ حدیث (جدید تہذیبی ارتقا) کی مہذب و متمدن مخلوق ہیں جوئی درسگاہوں کی کائناتِ جہل و غرور میں پیدا ہوئی ہیں، اور جوئی الحقیقتِ غرورِ اذعا اور جہلِ افساد کے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔

پہلی جماعت کی اگر غفلت شدید تھی اور محصیتِ جرأت و جسارت تک پہنچ گئی تھی، تو افسوس کہ اس گروہ کے اندر غفلت کی جگہ جسارت اور اعتراف کی جگہ انکار و سرکشی اور کھلم کھلا استغفافِ شریعت و استہزاءِ حدود اللہ پایا جاتا ہے۔ ان میں سے اکثروں کے نزدیک روزہ عرب جاہلیت کے فقر و فاقہ کی ایک وحیانہ یادگار ہے جو یا تو اس لئے قائم کی گئی تھی کہ غذا میسر نہیں آتی تھی، یا من جملہ ان عالمگیر غلط فہمیوں کے ایک توہم پرستی تھی جو اہل مذاہب میں ابتدا سے پھیلی ہوئی ہیں اور انہوں نے ترکِ لذت اور تعذیبِ جسم کو وسیلہ نجات سمجھ لیا ہے، فأعاذنا الله سبحانه مما يعتقد الزنادقة

ان میں بہت سے لوگ اپنے الحاد کو شریعت کی نسبت سے انجام دینے کے شائق ہیں۔ وہ تطبیق بین العقل والنقل العلوم الجدیدة والاسلام اور الاسلام هو الفطرة والفطرة هي الاسلام کا راستہ اختیار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اگر فرض ہوا بھی تھا تو ﴿وَالَّذِينَ يُطِيفُونَ فِذْيَةَ طَعَامٍ﴾ نے

ثابت کر دیا کہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر ہم روزے کے بچہ عذاب سے نجات پاسکتے ہیں۔ پس یہ ہمارے لیے کفایت کرتا ہے۔ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَغَرَّبُونَ، الَّذِينَ يَفْسُدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يَصْلَحُونَ ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ، أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ (۱۱:۲)

”اور جب تو یہ کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد نہ پھیلاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم تو قوم کے مصلح ہیں، یقین کرو کہ یہی لوگ ہیں جو دنیا کے لئے مفید ہیں مگر اپنے فساد سے واقف نہیں“

پھر آہ! ان لوگوں کی حالت آپ کو کیا کہیں کہ میرے سامنے بڑے ہی درد انگیز صدمہ ہانسونے موجود ہیں۔ جس طہانہ جبارت، جس مارقانہ جرأت، اور جس مرتدانہ شوخی کے ساتھ میں نے انہیں عین رمضان المبارک کے ایام میں (باوجود صحت و عافیت، قوت و توانائی و بغیر سفر و عذرات شرعیہ) اپنے دوزخ شکم کی ایندھن جمع کرتے دیکھا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اسے کیونکر بیان کروں؟ وہ اس بے پروائی کے ساتھ ماہ مقدس میں کھاتے پیتے ہیں، گویا انہیں اس گروہ سے کوئی تعلق ہی نہیں جس کے لئے رمضان کا ورود صبر و اتقا کا پیام تھا۔

جرم اور بغاوت

ایک چیز غفلت و تساہل ہے اور ایک انکار و تمرد ہے۔ بلاشبہ پرانے لوگوں میں بھی ہزاروں اشخاص ایسے موجود ہیں جن میں تسلط نفس و شیطان سے معاصی و ذنوب کی نہایت کثرت ہوگئی ہے اور ان پر غفلت و تساہل نے ایک دینی موت طاری کر دی ہے۔ علی الخصوص امر اور نہی مسلمانین کہ ان میں سے اکثر احکام و اوامر شریعہ سے بے پروا و غافل ہیں۔ تاہم ان میں ایک فرد بھی ایسا بمشکل ملے گا جو احکام الہی کا صریح استہزاء کرتا ہو، اور اللہ کے شعائر کی بے باکانہ ہنسی اڑاتا ہو۔ مگر میں نے اس متمدن و روشن خیال طبقہ میں بکثرت ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو علانیہ احکام اسلامیہ کی ہنسی اڑاتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں کہ لوگ کیسے احق اور نادان ہیں جو مفت میں بھوکے رہتے ہیں اور اپنے نفس کو تکلیف و مشقت میں ڈالتے ہیں:

﴿وَقَالُوا: مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ﴾ (۲۳:۳۵)

”وہ کہتے ہیں: یہ تو صرف کی دنیا کی ہی زندگی ہے، ہم مریں گے اور زندہ رہیں گے اور نہیں ہلاک کرتی ہمیں مگر زمانہ (کی گردش)“

﴿قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ﴾ (۶۵:۹)

”ان لہو سے کہو کہ آیات اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسولوں کے ساتھ ہنسی کرتے ہو“

آغاز اسلام میں یہود و نصاریٰ احکام شریعت کی ہنسی اڑاتے تھے، جن کا حال سورہ مائدہ میں مذکور ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُؤًا وَلَعِبًا﴾ (۶۳:۵)

”اے مسلمانو! ان لوگوں کا رشتہ نہ پکڑو جنہوں نے تمہاری شریعت کو ہلکی ٹھٹھا اور ایک طرح کا کھیل بنالیا ہے“ ان کا حال یہ تھا کہ:

﴿وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوا هَٰذَا هُزُؤًا وَلَعِبًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ﴾

”جب تم نماز کے لئے صدا بلند کرتے ہو تو یہ ہلکی اور ٹھٹھا کرتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان کی عقلیں کھو گئی ہیں“ (۶۳:۵) سورہ بقرہ میں انہیں کی نسبت فرمایا ہے:

﴿زَيْنٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ (۱۰۸:۲)

”کافروں کی نظروں میں صرف دنیا کی زندگی ہی سنا گئی ہے، وہ ان لوگوں کے ساتھ تسخر کرتے ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں“

سو آج یہ حالت خود مسلمانوں کا یہ نیا متمدن فرقہ ہمیں دکھلا رہا ہے، اور ضمنہ خبر دیتا ہے کہ اس کا شجرہ نسب مصلحت کن لوگوں سے ملتا ہے؟ نماز سے بڑھ کر اس گروہ کے لئے کوئی مبعوض و مکروہ حکم نہیں، کیونکہ علاوہ ایک وحشیانہ حرکت کرنے کے اس کے اکثر اجزاء ایسے ہیں جو متمدن زندگی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ وضو سے شرٹ کی آستینوں کا کلف خراب ہو جاتا ہے، اور سجدہ میں جانے سے پتلون پر گھٹنوں کے پاس شکنیں پڑ جاتی ہیں: ﴿إِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ﴾ (۲۸:۷۷)

”جب ان سے رکوع کرنے کو کہا جاتا ہے تو رکوع بجا نہیں لاتے“

جب نماز کے ساتھ یہ سلوک ہے تو روزہ کی نسبت پوچھنا ہی عبث ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ موجودہ متمدن زندگی نے دن میں پانچ مرتبہ افلا غذا کا حکم دیا ہے، کوئی وجہ نہیں کہ ایک مہینے تک کے لئے انسان بالکل غذا ترک کر دے ﴿قَاتِلْهُمْ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (۳۰:۹)

المصلحون الدجالون

پھر عجیب تو یہ کہ اس گروہ میں ایک جماعت مصلحین ملت وائتہ امت کی بھی ہے جو اپنے تئیں تمام قوم کا پیشوا اور ہادی حقیقی سمجھتی ہے اور چونکہ اسے یقین ہے کہ ابھی مسلمان احکام شریعت سے متنفر نہیں ہوئے ہیں، گو عاقل ہیں، اس لئے جب کبھی مجلسوں اور کانفرنسوں کے انشجیوں پر ان کے سامنے آتی ہے تو یکسر پیکر اسلام و ایمان و مجسمہ شریعت اسلامیہ بن جاتی ہے، اور جس شریعت کے اذیلین ارکان و عبادات تک سے اسے عملاً انکار ہے، اس کے سامنے والوں کے اِدبار و غفلت پر نیویں کی طرح روتی اور رسولوں کی طرح فغاں سچ ہوتی ہے۔ پھر نماز کا فلسفہ اس کی زبان پر ہوتا ہے۔ روزہ کی فلاسفی پر ان سے بہتر کوئی لیکچر نہیں دے سکتا۔ اسلامی عبادات کے مصالح و حکم کے اعلان کا اس سے بڑھ کر کوئی داعظ نہیں، حالانکہ خود اس کے نفس کا یہ حال ہے کہ احکام شریعت کی تذلیل و تحقیر میں اس سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں ہے اور اس کا

وجود الحاد و زندقہ کے سوا اور کچھ نہیں:

﴿يَخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ (۱۰:۲)

”یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ کو اور مسلمانوں کو اپنے نفاق سے دھوکا دینا چاہتے ہیں، مگر نہیں جانتے کہ درحقیقت وہ اپنے نفس ہی کو دھوکا دے رہے ہیں“

ایک بشارتِ عظمیٰ

البتہ دو تین سال سے تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک مبارک تغیر و انقلاب کے آثار ضرور نظر آ رہے ہیں، اور میں بہت سے ایسے اربابِ انا بیت و رجوع الی اللہ کو جانتا ہوں جن کے دلوں پر پچھلے مصائبِ اسلامی سے تنبیہ و اعتبار کی ایک کاری چوٹ لگی ہے اور ان کے اندر مذہبی اعمال کی طرف یکا یک میلان و رجوع پیدا ہو چلا ہے۔ سونی الحقیقت ایسے مبارک نفوس اس گروہ کی عام حالت سے بالکل مستثنیٰ ہیں، اور اگر ان کو استقامت و ثبات نصیب ہو تو کچھ شک نہیں کہ ہم سب کو چاہئے کہ انکے ہاتھوں کو جوشِ عقیدت سے بوسہ دیں اور مقدس عبادوں کے دامنوں کی جگہ ان کے فرنگی کوٹوں کے دامنوں کو آنکھوں سے لگائیں۔ کیونکہ موجودہ عہد میں اسلام و ملت کی خدمت کے لیے اس گروہ سے بڑھ کر اور کوئی جماعت مفید تر نہیں ہو سکتی اور اس کی اصلاح سے بڑھ کر عالمی اسلامی کیلئے کوئی بشارت نہیں (لعلہ بعدہ) بعد ذلک (لعلہ)

عالمینِ احکام و صائمین رمضان

یہ حال تو تارکینِ صیام کا تھا۔ اب انہیں دیکھیں جو عالمین و صائمین میں داخل ہیں۔ یہ سرگزشت ان کی تھی جنہوں نے شریعت کو چھوڑ دیا، لیکن آداب ان کی سراغ میں نکلیں جو اب تک دامنِ شریعت سے وابستہ ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو پانی سے دور ہو گئے۔ اب آؤ ان کو دیکھیں جو دریا کے کنارے خیمہ زن ہیں..... پھر کیا وہ سیراب ہیں؟ کیا وہ پہلوں کی طرح پیا سے نہیں!!

افسوس کہ حقیقت کی آنکھیں اب تک خوبار ہیں اور عشقِ مقصود کا قدم یہاں تک پہنچ کر بھی کامیاب نہیں۔ یہ سچ ہے کہ پہلوں نے دریا کی راہ چھوڑ دی اور دوسرے نے اس کے کنارے اپنا خیمہ لگایا اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اس کا اجر انہیں ملنا چاہئے، لیکن اگر دریا کا قرب دریا کے لئے نہیں بلکہ دریا کے پانی کے لئے تھا تو پہلا گروہ پانی سے دور رہ کر پیا سا رہا، اور دوسرے اس تک پہنچ کر پیا سے ہیں!

انہیں کشتی نہیں ملتی، انہیں ساحل نہیں ملتا.....!!

یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے شریعت کے حکموں کو تو لے لیا ہے، مگر اس کی حقیقت چھوڑ دی ہے۔ یہ وہ ہیں کہ انہوں نے چھلکے پر قناعت کی اور اس کے مغز کو ان لوگوں کی طرح چھوڑ دیا جنہوں نے چھلکا اور مغز دونوں چھوڑ دیا ہے۔ یہ جسم کو انسان سمجھتے ہیں حالانکہ جسم بغیر روح کے ایک سڑ جانے والی لاش ہے۔

یہ نقاب کو چہرہ محبوب سمجھ ہیں، حالانکہ عیش نظارہ اس نے پایا، جس نے نقاب کی جگہ صورت سے عشق کیا۔ کاشت کار پھل کے لئے بیج بوتا ہے اور پھولوں کی ساری محبوبیت اس میں ہے کہ اس کی خوشبو سے دماغ معطر ہو جاتا ہے۔ پس اگر بیج پھل نہ لایا اور پھولوں نے خوشبو نہ دی تو کاشتکار کے لئے بل جوتے کی جگہ بہتر تھا کہ وہ گھر میں آرام سے سوتا، اور بے خوشبو کے پھولوں سے وہ خشک ٹہنی زیادہ قیمتی ہے جو چولہے میں جلائی جاسکے ﴿فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ﴾ (۲۱:۴)

نماز ہو یا روزہ، شریعت کے جتنے احکام اور جتنی طاعات ہیں، سب کا حال یہ ہے کہ ایک شے تو ان میں مقصود بالذات ہوتی ہے اور ایک اس مقصود کے حاصل کرنے کا وسیلہ.....!

نماز میں اصلی شے عبودیت الہی، انکسار و تذلل، خضوع و خشوع، ابہتال و توجہ الی اللہ و انقطاع و تخیل ہے، اور نتیجہ اس کا تمام فواحش و منکرات اور رذائل و خباثت سے اجتناب و تحفظ ہے۔ حج کا مقصود دعوتِ اسلامی کی نشاۃِ اولیٰ کی یادگار، اسوۂ ابراہیم کی تجدید، مرکزِ توحید پر تمام شعوب و قبائل موحدین کا اجتماع، اور وحدتِ اسلامی و اتحادِ ممالک و اُمم کا ظہور و قیام ہے اور نتیجہ اس کا تعلق الہی کی تقویت، احکامِ شریعت کا انقیاد اور رفعِ انشقاق و اختلاف، و انسدادِ تفریق و تشتت کلمہ اسلام ہے۔

اسی طرح روزہ بھی صرف بھوک پیاس کا نام نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر فقیر عابد ہوتا اور ہر فاقہ کش مؤمن کامل، حالانکہ بہت سے بے نصیب مسکین ہیں جن کی فاقہ کشی انہیں وہ شے نہیں دے سکتی جو ایک اللہ پرست بادشاہ، لہذا نذ و نعمت کے خوان ہائے پر تکلف کے سامنے بیٹھ کر پالیتا ہے۔ اصل شے روح کا تقویٰ، نفس کی طہارت، خواہشوں کا صبر، قوتوں کا احتساب اور جذبات کا ایثار ہے، اور چونکہ مخلوقات کے لئے غذا کی خواہش سب سے بڑی مجبورکن خواہش ہے، اس لئے درسِ صبر، تعلیمِ تحمل، تولیدِ فضائل اور نفوذِ اتقاء و ایثارِ نفس کے لئے اسی خواہش کے ترک کرنے کا حکم دیا گیا اور اس کو تمام روحانی فضائل کے کب اور تمام اخلاقی رذائل سے اجتناب کا وسیلہ قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ روزہ کا حکم دینے کے بعد اس کی علت ایک نہایت ہی جامع و مانع اصطلاحِ شریعت میں واضح کر دی گئی کہ:

﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ یہ اس لئے ہے تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو! 'تقویٰ' بچنے اور پرہیز کرنے کو کہتے ہیں۔ قرآن حکیم کی اصطلاح میں اس سے مقصود تمام برائیوں اور رذالتوں سے بچنا اور پرہیز کرنا ہے۔

پس روزہ وہ ہے جو ہمیں پرہیزگاری کا سبق دے، روزہ وہ ہے جو ہمارے اندر تقویٰ اور طہارت پیدا کرے۔ روزہ وہ ہے جو ہمیں صبر اور تحمل شدائد و تکالیف کا عادی بنائے۔ روزہ وہ ہے جو ہماری تمام بھیم قوتوں اور غصبی خواہشوں کے اندر اعتدال پیدا کرے، روزہ وہ ہے جس سے ہمارے اندر نیکیوں کا جوش، صداقتوں کا عشق، راست بازی کی شیفنگی، اور برائیوں سے اجتناب کی قوت پیدا ہو۔ یہی چیز روزہ کا اصل مقصود ہے اور باقی سب کچھ بمنزلہ رسائل و ذرائع کے ہے۔ اگر یہ فضیلتیں ہمارے اندر پیدا نہ ہوں تو پھر

روزہ روزہ نہیں ہے بلکہ محض بھوک کا عذاب اور پیاس کا دکھ ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ احادیثِ نبویہ میں روزہ کی برکتوں کے لئے 'احتساب' کی بھی شرط قرار دی گئی۔

من صام رمضان إيماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه (رواہ البخاری)
 ”جس شخص نے رمضان کے روزے احتسابِ نفس کے ساتھ رکھے سو اللہ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دے گا“

پھر کہتے ہیں جو روزہ رکھتے ہیں اور ساتھ ہی ایک سچے صائم کی پاک اور ستھری زندگی بھی انہیں نصیب ہے۔ آہ، میں ان لوگوں کو جانتا ہوں جو ایک طرف تو نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں۔ دوسری طرف لوگوں کا مال کھاتے، بندوں کے حقوق غصب کرتے، ان کو دکھ اور تکلیف پہنچاتے، طرح طرح کے مکرو فریب کو کام میں لاتے، اور جبکہ ان کے جسم کا پیٹ بھوکا ہوتا ہے تو اپنے دل کے شکم کو گناہوں کی کثافت سے آسودہ اور سیر رکھتے ہیں۔ کیا یہی وہ روزہ دار نہیں جن کی نسبت فرمایا کہ:

کم من صائم ليس له من صومه إلا الجوع والعطش (رواہ الترمذی وابن ماجہ)
 ”کتنے ہی روزہ دار ہیں جنہیں ان کے روزے سے سوا بھوک اور پیاس کے کچھ نہیں ملتا“

وہ راتوں کو تراویح میں قرآن سنتے ہیں اور صبح کو اس کی منزلیں ختم کرتے ہیں، لیکن اس کی نہ تو ہدایتیں ان کے سامعہ سے آگے جاتی ہیں اور نہ اس کی صدائیں حلق سے نیچے اترتی ہیں:

ورب قاتم ليس له من قيامه إلا السهر (رواہ ابن ماجہ)

”اور کتنے راتوں کو ذکر و تلاوت کا قیام کرنے والے ہیں کہ انہیں اس سے سوائے شب بیداری کے اور کچھ فائدہ نہیں“

نیز فرمایا کہ ربّ تال للقرآن والقوآن يلعنه بہت سے قرآن تلاوت کرنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت بھیجتا ہے، کیونکہ انہوں نے اپنی بدکرداریوں اور بے عملیوں سے قرآن کی تلاوت وساعت کو لہو واجب بنا رکھا ہے۔

پھر کہتے ہیں روزہ دار ہیں جن کا روزہ برکت و رحمت ہونے کی جگہ بندگانِ الہی کے لئے ایک آفت و مصیبت ہے، اور بہتر تھا کہ وہ روزہ نہ رکھتے۔ دن بھر بھوکا رہ کر اور رات کو تراویح پڑھ کر وہ ایسے مغرور و بد نفس ہو جاتے ہیں گویا انہوں نے اللہ پر، اس کے تمام ملائکہ پر، اور اس کے تمام بندوں پر ایک احسانِ عظیم کر دیا ہے۔ اور اس کے معاوضہ میں انہیں کبریائی اور خود پرستی کی دائمی سند مل گئی ہے۔ اب اگر وہ انسانوں کو قتل بھی کر ڈالیں، جب بھی ان سے کوئی پرسش نہیں۔ وہ تمام دن درندوں اور بھیڑیوں کی طرح لوگوں کو چیرتے پھاڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم روزہ دار ہیں۔ سو ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ زمین اور آسمان کا خداوند ان کے فاقہ کرنے کا محتاج نہیں ہے۔ اور ان کے اس روزہ رکھنے سے اس عاجز و درماندہ اور اپنی خطاؤں کا اعتراف کرنے والے گناہگار کا روزہ نہ رکھنا ہزار درجہ افضل ہے جو گو اللہ کا روزہ

نہیں رکھتا مگر اس کے بندوں کو بھی نقصان نہیں پہنچاتا۔

روزہ کا مقصود نفس کا انکسار اور دل کی خشک کنی تھی۔ پھر اے شریر انسان! تو روٹی اور پانی کا روزہ رکھ کر خون اور گوشت کو کھانا کیوں پسند کرتا ہے: ﴿أَيَحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ﴾
”آیاتم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے“

من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة في أن يدع طعامه وشرابه
”جس شخص نے کفر و فریب نہ چھوڑا اور انقائے صیام پر عمل نہ کیا سو اللہ کو کوئی حاجت نہیں کہ اس

کے کھانے اور پینے کو چھڑا دے اور اسے بھوکا رکھے“ (رواہ البخاری) اللہ فرماتا ہے کہ
﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومَهَا وَلَآ دِمَآئُهَا وَلَآ كُنْ يَنَالُهُ التَّفْؤَىٰ وَمِنْكُمْ﴾ ”اللہ تک تمہاری
قربانیوں کا گوشت نہیں پہنچتا اور نہ ان کا خون، لیکن تمہارا تقویٰ اور تمہاری نیت پہنچتی ہے“

اگر قربانی کا گوشت اللہ تک نہیں پہنچتا، تو اے مغرور عبادت اور مردم آزار صائم! تیری بھوک اور
پیاس بھی اللہ تک نہیں پہنچتی، بلکہ وہ چیز پہنچتی ہے جو تیرے دل اور تیری نیت میں ہے۔ اگر تجھے وہ نعمت
حاصل نہیں تو تجھے معلوم ہو کہ تیری ساری ریاضت اکارت اور تیری ساری مشقت بیکار ہے۔

پس وہ لوگ جنہوں نے روزہ نہ رکھا اور اللہ کا حکم توڑا، اور وہ جنہوں نے رکھا، پر اس کی حقیقت
حاصل نہ کی، ان دونوں کی مثال ان دولڑکوں کی سی ہے جن میں سے ایک تو مدرسہ جانے کی جگہ گھر میں پڑا
رہتا ہے، اور دوسرا مدرسہ میں تو حاضر ہوتا ہے لیکن پڑھنے کی جگہ دن بھر کھیلتا ہے۔ پہلا لڑکا مدرسہ نہ گیا اور
علم سے محروم رہا۔ دوسرا گیا اور پھر بھی محروم رہا۔ البتہ جانے والے کو نہ جانے والے پر ایک درجہ فضیلت
حاصل ہے، لیکن اگر وہ مدرسہ سے جا کر لوگوں کو تکلیف پہنچاتا ہے تو بہتر تھا کہ وہ نہ جاتا۔

پھر خدا را غور کرو کہ ہمارا تم کیسا شدید اور ہماری بربادی کیسی المناک ہے؟ کس طرح حقیقت ناپید
اور صحیح عمل مفقود ہو گیا ہے۔ اس سے بڑھ کر شریعت کی غربت اور احکام الہیہ کی بے کسی کیا ہوگی کہ
مسلمانوں نے یا تو اسے چھوڑ دیا ہے یا لباس لے لیا ہے، اصل صورت چھوڑ دی ہے! آہ، یہ کیسی زلا دینے
والی بدبختی اور دیوانہ بنادینے والا ماتم ہے کہ یا تو تم اس کے حکموں پر عمل نہیں کرتے یا کرتے ہو تو اس
طرح کرتے ہو گویا اللہ سے ٹھٹھا اور تمسخر کرتے ہو۔ ”فوا أفساء، واحسرتا وامصیبتا“ جب حالت

یہاں تک پہنچ چکی ہے تو تنزل کا شکوہ کیوں اور تباہی ملت کی شکایت کیا؟ **فصل من ملک ۹۹**

[تحریر: مولانا ابوالکلام آزاد..... ہفت روزہ الہلال، کلکتہ ۱۲/ اگست ۱۹۱۳ء بمطابق ۱۹/ رمضان ۱۳۳۲ھ]

محدث رُشد و ہدایت کا پیامبر ہے، رمضان المبارک میں اس کے پیغام کو عام کیجئے، دوستوں کو تحفہ
سال بھر کے لئے لگوا دیجئے یا دوسروں کو اس کا نمونہ کا پرچہ دیجئے، اپنی تقریرات میں محدث کو تقسیم کیجئے!
یہ ایک نیکی ہے جس کا اجر رمضان میں ستر گنا تک بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ایک دینی ادارہ ہے کے ساتھ تعاون بھی ہے!